© rasailojaraid.com

قرآنی ادب شعری اسلوب کیوں نہیں؟

محمد اسلم (اسسٹنٹ پروفیسر)
گورنمنٹ کالج (بوریوالہ)

ساتویں صدی کے اوائل میں قرآن مجید کا نزول ایسی عرب قوم میں ہوا، جو تہذیب و تمدن اور حضرویت و شہریت میں اگرچہ ہم عصر اقوام سے پیچھے تھی، مگر لسانی قوت، زورِ بیاں اور معنوی محاسن و اوصاف میں ان سے آگے تھی۔ اپنے احساسات و جذبات کے اظہار کے لئے ان کے پاس موزوں الفاظ بھی تھے اور اعلیٰ تراکیب بھی۔ یہ لوگ اپنے دلنشیں اسلوب جدتِ معانی اور سحر بیانی پر اس قدر نازاں تھے، کہ خود کو عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا خیال کرتے ان کے پاس شعر گوئی کا فن بھی تھا اور خطابت کا جوہر بھی۔ بیسیوں اشعار پر مشتمل قصائد تیار کرتے، پھر اپنے سالانہ میلے میں ان کے ذریعہ قبیلہ کا نام روشن کرتے۔ بالخصوص شاعر کا وجود کسی بھی قبیلے کے لئے گراں بہا سرمایہ ہوتا۔ وہ اسے مافوق الفطرت قوتوں سے متصف سمجھتے اس کے کلام سے قبیلے کے کارنامے شہرتِ دوام حاصل کرتے اور دشمنوں پر ہراس چھا جاتا۔ وہ اپنے فصیح و بلیغ کلام سے قبیلے کی نیک نامی کو چار چاند لگاتا۔ جب عرب کے کسی خاندان میں شاعر کا انکشاف ہوتا، تو ہمسایہ قبائل ان کے ہاں آکر تبریک پیش کرتے۔"(۱)

عربی ادب کا یہ اِرتقاء جب اپنے شباب کو پہنچا اور استعداد و صلاحیت کے اس عالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقام سے سرفراز ہوگیا، کہ پیغام خداوندی کے دقیق اور کلامِ الٰہی کے عظیم مفاہیم کا امین بن کر اس کے مقتضائے عالیہ کی کماحقہ، ترجمانی کر سکے، تو قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

یہ آسمانی صحیفہ، اپنے حسن بیاں، زورِ الفاظ، مفہوم کی پاکیزگی، اثر آفرینی، تشبیہ و تمثیل اور حکمت و ہدایت کے ایسے مضامین پر مشتمل تھا، کہ اہل عرب اس کی فصاحت و بلاغت پر حیران ہو گئے۔ وہ اس کے فنی کمال پر مبہوت تھے کہ یہ کلام کی کونسی قسم ہے۔ چنانچہ کبھی آپ کو جادوگر کہتے اور کبھی شاعر؛ کبھی کاہن خیال کرتے اور کبھی دیوانہ۔ ان کی اس حیرانی و سرگردانی کی منظر کشی، تاریخ عرب کے اوراق اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ مکہ کے لوگ اکٹھے ہو کر ولید کے پاس آئے، تا کہ حضور ﷺ کا معاملہ حل کریں۔ ولید نے کہا: آخر تم کیا چاہتے ہو۔ وہ بولے ہم محمد کو کاہن سمجھتے ہیں اور.................. ولید نے بات کاٹ کر کہا: وہ کاہن کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں کاہنوں کو جانتا ہوں، ان میں کاہنوں جیسی کوئی بات نہیں۔ نہ وہ کاہنوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں ولید سے یہ سن کر وہ بولے: تو ہم انہیں دیوانہ سمجھتے ہیں۔ ولید نے کہا: وہ مجنوں یا دیوانہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے کسی قول و فعل سے دیوانہ پن بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ اس پر وہ بولے: پھر ہم ان کے دعویٰ نبوت کو شاعری اور انہیں شاعر سمجھ لیتے ہیں۔ یہ سن کر ولید نے کہا میں شاعر اور شاعری دونوں سے واقف ہوں۔ ان کی باتوں میں نہ رومانی بات ہے نہ رجزیہ، نہ ہجزیہ، نہ مقبوضہ، نہ مبسوطہ، پھر ان کی باتوں کو شاعری یا واہمۂ تخیل اور انہیں شاعر کیسے سمجھایا' کہا جا سکتا ہے۔ وہ بولے تو ہم انہیں جادوگر کہیں۔ ولید نے کہا جادوگر کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں جادوگروں کو بھی خوب جانتا ہوں۔(۲)

اسی قسم کا دوسرا واقعہ عتبہ کا ہے۔ کہ اس نے آپ کو دعویٰ نبوت سے باز رکھنے کے لئے پہلے تو قوم میں پیدا شدہ اختلافات اور اس کے مفاسد و نقصانات گنوائے، پھر مال و دولت اقتدار اور حسین عورتوں کی لالچ کے ذریعے روکنا چاہا۔ تو حضور ﷺ نے اس کے جواب میں اس طرح لب کشائی کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo

حٰمٓ تَنْزِیْل مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. کِتَابٌ فُصِّلَتْ آیَاتُہٗ .... فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوْد.

آپ کا یہ جواب سن کر عتبہ قریش کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ کہو کچھ کام بنا۔ عتبہ نے کہا۔ نہیں میں نے ہر چیز کی پیشکش کی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ آخر میں جو کچھ کہا۔ اس میں سے سوائے اس کے کچھ نہ سمجھ سکا۔ کہ اگر ہم ان کے کہنے پر عمل نہ کریں گے۔ تو ہم پر بھی قوم عاد وثمود کا عذاب نازل ہوگا۔(۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآنی آیات سے کس طرح ان پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوتی پھر جب وہ اپنی ضد اور تعصب کے زیر اثر مختلف قسم کے الزامات لگاتے تو قرآن مجید ان کا جواب دیتا مثلاً وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَاتُؤْمِنُوْنَ وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ۔(۴) یہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ تم تھوڑا ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی وہ کسی کاہن کا قول ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ.................. وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَیْطَانٍ الرَّجِیْم۔ (۵) تمہارا ساتھی کچھ دیوانہ نہیں.................. یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں۔

اس میں قرآن مجید نے شاعر، کاہن اور مجنون ہونے کی تردید کے ساتھ شیطانی کلام ہونے کی بھی نفی کر دی۔ تا کہ اہل عرب کے اس عقیدے کی تردید ہو جائے کہ شیطان غیب کی خبریں حاصل کر کے اپنے کاہنوں کو پہنچاتے ہیں اور ساتھ ہی اصل حقیقت واضح کر دی دراصل ایمان لانے اور نصیحت حاصل کرنے کا جذبہ اور خواہش ہی تم میں موجود نہیں ۔تم تو صرف سازشیں ہی کرنا چاہتے ہو۔

بہرحال اس قرآنی ادب نے فصاحت و بلاغت کے ان اماموں کو ایسی الجھن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈال دیا، کہ جس سے کوئی چھٹکارا انہیں نظر نہ آتا۔ وہ نجی محفل میں سر جوڑ کر بیٹھتے تو اس کلام الٰہی کی ادبی صنف متعین کرنے سے قاصر رہتے اور اگر اسے انسانی کلام قرار دیتے ۔تو اس کی مثل لانے کا چیلنج ملتا اور پھر وہ اپنی بے بسی و ناکامی پر سر پیٹتے۔

اس طرح قرآن مجید نے اہل مکہ کی ادبی سطح پر شکست فاش دے کر ان کی نخوت و رعونت کے قلعے مسمار کر دیئے اور انہیں ضمیر کی ایسی خلش میں مبتلا کر دیا کہ جس کا کوئی مداوا ان کے پاس نہ تھا۔ سوائے اس کہ اپنی ظاہری شان وشوکت کا بھرم رکھنے کے لئے طعن و تشنیع کا سلسلہ اور بڑھائیں نیز اپنے مادی وسائل کے بل بوتے پر مسلمان کو مزید تختہ مشق بنا کر اپنے جذبات کو وقتی طور پر تسکین دیں۔

اس تمہید کے بعد اب تفصیل دیکھئے۔

ابن خلدون نے نظم و نثر کی تعریف اس طرح کی ہے۔ عربی کلام کی دو قسمیں ہیں ۔ اشعار یا منظوم کلام، جو وزن اور قافیہ دار ہوتا ہے۔ جس کے تمام اوزاں ایک قافیہ پر ہوتے ہیں ۔ نثر یہ قسم وزن سے خالی ہوتی ہے۔ ان دونوں قسموں کی پھر بہت سی انواع ہیں ۔ انواعِ اشعار میں ، مدح، ہجا، مرثیہ، انواع نثر میں نثر مسجع، جس کے جملے الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہر دو جملوں میں ایک قافیہ ہوتا ہے۔ نثر مرسل، جس میں کلام کو نثر مسجع کی طرح اجزاء میں نہیں بانٹا جاتا۔ اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قافیہ وغیرہ سے مقید نہیں ہوتا۔(۶)

دوسری طرف جرجی زیدان نے وزن اور قافیہ کو شعر کی شرط بنانے پر اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ اس طرح شعر الفاظ میں محصور ہو جاتا ہے۔ جبکہ یہ نظم کی تعریف ہے نہ کہ شعر کی اور ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ کیونکہ کبھی آدمی شاعر ہوتا ہے لیکن اچھی نظم تیار نہیں کر سکتا اور کبھی نظم بنانے والے شخص کی نظم میں شعر نہیں ہوتا۔ اگر چہ وزن اور قافیہ کی بدولت شعر کی تازگی اور نفس میں تاثیر بڑھتی ہے بہر حال نظم ایک سانچہ ہے جس میں شعر چلتا ہے اور یہ نثر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سانچے میں بھی چل سکتا ہے۔(۷)

اس عبارت کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شعر وہ ہوتا ہے جس میں خیال کی نُدرت ،فکر کی رفعت اور نفس میں تاثیر ہو یہ کام نثر کے ذریعے بھی سرانجام دیا جا سکتا ہے۔نظم کا ہونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر شعر کو نظم کا وزن اور قافیہ بھی میسر آ جائے تو شعر کی طلاوت اور تازگی دوگونہ ہوجاتی ہے اگر پرشکوہ الفاظ بھی میسر ہوں تو شعر کی شوکت وقوت سہ گونہ ہو جاتی ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ متعدد علماء ،شعر کی وہی تعریف کرتے ہیں جو ابن خلدون نے کی ہے۔ مثلاً زمخشری نے شعر کی تعریف یہ لکھی ہے۔ **هُوَ كَلَامٌ مَوزُوْنٌ مُقَفًّى يَدُلُّ عَلٰى مَعْنى**(۸) وہ وزن اور قافیہ والا ایسا کلام ہے۔ جو معنی پر دلالت کرے۔

عمومی طور پر بھی نظم اور شعر کو ایک ہی مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ جبکہ نثر کو بالکل الگ صنف خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تائید عرب کے اس محاورے سے ہوتی ہے۔ اَنْشَدَ الشِّعْرَ (۹) شعر گایا۔ یہ نہیں کہا جاتا قَرَأَ الشعر شعر پڑھا۔ گائیگی چونکہ نظم میں ہوتی ہے۔ نثر میں نہیں اس لئے شعر کو نظم کے ساتھ مخصوص کرنے کا جواز بنتا ہے۔

عرب میں زباں کی تیسری قسم نثر مسجع بھی تھی۔ یہ وہ مقفّٰی کلام تھا جو کاہنوں نجومیوں اور شاعروں کی زبان تھی۔ پیشین گوئیوں اور اوہام پر مبنی منتر دعا یا بددعا اسی مقفّٰی عبارت میں کی جاتی۔ ہر فقرے کا وزن الگ الگ ہوتا ۔لیکن ہر فقرہ ہم قافیہ الفاظ پر اختتام پذیر ہوتا۔نفس مضمون عموماً مبہم اور اشارات پر مبنی ہوتا ہے کوئی بات کھل کر نہ کہی جاتی۔ یہ اندازِ بیاں خاص خاص اشخاص تک محدود تھا۔ مسجع عوام کی زبان نہ تھی۔(۱۰) گو بعض اوقات خطبا وغیرہ اسے اختیار کرلیتے مگر الفاظ میں غرابت اور ترکیب میں رکاکت کی وجہ سے اہل لغت اس کو ناپسند کرتے۔(۱۱)

عربی ادب کی ظاہری بناوٹ اور اس کی تینوں اقسام کی تفصیل کے بعد اب قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجید کی طرف آیئے یہ نہ تو نثر مرسل ہے کہ بالکل سادہ عبارت ہو۔ نہ نثر مسجع ہے۔ جس میں قطع بندی ہوتی ہے اور مفہوم کو مختلف حصوں میں کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہاں قرآن میں فواصل ہیں۔ جنہیں آیات کہا جاتا ہے۔ ہر آیت میں مکمل مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآنی آیات پر قطع بندی کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ بلکہ فواصل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اس میں قافیہ کی پابندی نہیں ہوتی۔

اسی طرح قرآن مجید میں شعر یا نظم بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں نہ تو قافیہ و ردیف کی پابندی کا اہتمام ہے اور نہ ہی وہ مخصوص اوزان اور بحریں ہیں۔ جن کا استعمال اہل عرب کرتے تھے اور اشعار کے لئے انہیں ضروری سمجھتے تھے۔

وجہ دوم:

فنی اعتبار سے دیکھیں تو عربی زبان بہت سی نزاکتوں اور باریکیوں کی حامل ہے۔ جس میں لفظوں کی تقدیم و تاخیر اور تغیر و تبدل کی مخصوص اہمیت ہوتی ہے۔ فعل فاعل اور مفعول کے مخصوص مقامات ہیں۔ ان میں کسی کی تقدیم و تاخیر، حصر یا تاکید کا مفہوم پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ضرب زیدٌ عمرواً ایک سادہ فقرہ ہے۔ اگر اس میں مفعول کو مقدم کر دیا جائے تو حصر کا معنی پیدا ہو جائے گا اور فقرہ اس طرح ہو گا۔ عمرواً ضرب زیدٌ۔ عمرو ہی کو زید نے مارا۔

دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ نظم میں ضرورت شعری کی خاطر تقدیم و تاخیر کر دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ غرض و غایت مشکوک ہو جاتی ہے کہ یہ تقدیم و تاخیر حصر کے لئے کی گئی ہے یا محض ضرورتِ شعری کے لئے یہ تکلف کیا گیا ہے۔

وجہ سوم:

بعض اوقات شعر کا وزن مکمل کرنے کے لئے کسی لفظ کو زائد لے آتے ہیں۔ جس کی معنوی غرض و غایت کوئی نہیں ہوتی۔ اس قسم کا لفظ حشو و زوائد میں شمار ہوتا ہے۔ کسی لفظ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متبادل و مترادف لانا پڑتا ہے۔ مگر اس میں اصل لفظ کی پوری تعبیر اور نمائندگی نہ ہونے کی وجہ سے کلام میں نقص پیدا ہوجاتا ہے۔ جبکہ نثری کلام اس قسم کے عیوب سے مبرا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات شعری وزن پورا رکھنے کے لئے مجبوراً لفظ کی ہیئت تبدیل کرنی پڑتی ہے۔ مگر نثر میں اس قسم کی مجبوریاں نہیں ہوتیں۔ اس بحث کی تشریح ایک مثال سے کرتے ہیں۔ قرآن کی سب سے چھوٹی سورت کوثر کے الفاظ یہ ہے۔ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے۔ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔(۱۳)

جبکہ اس کا منظوم یہ کیا گیا ہے۔

(اے پیغمبر) ہم نے بے شک تم کو کوثر دے دیا۔ پس پڑھو رب کی نماز اور پھر کرو شکر خدا (اور قربانی کرو) تم نام پر اس کے ادا۔ جو تمہارا عدوٗ ہے بے نسل رہ جائے گا۔(۱۴)

تجزیہ:

نثری عبارت میں تین فقرے تھے۔ مگر منظوم ترجمے میں چار فقرے بنا دیئے گئے۔ سورت کی دوسری آیت کو دو الگ شعروں میں کاٹ دیا۔ ضرورت شعری کی خاطر دونوں شعروں میں متعدد الفاظ بلکہ فقرے کا بھی اضافہ کر دیا۔ سورت کی دوسری آیت کو دو الگ شعروں میں کاٹ دیا۔ ضرورت شعری کی خاطر دونوں شعروں میں متعدد الفاظ بلکہ فقرے کا بھی اضافہ کر دیا۔ سورت کی تیسری آیت میں جو تاکید اور حصر کا مفہوم تھا، منظوم ترجمہ میں وہ ختم ہو گیا۔

وجہ چہارم:

قران مجید اگر وعظ و نصیحت کی کتاب ہے۔ تاہم اس میں قوانین کا بھی حصہ ہے۔ یعنی تقریباً ۵۰۰ آیات کا تعلق حلت و حرمت کے احکام سے ہے۔ احکام و قوانین کو نثر میں پیش کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظم کا انداز قطعاً نامناسب ہوتا ہے۔ بالخصوص وراثت اور محرماتِ نکاح جیسی طویل آیات کو نظم میں پیش کرنا خاصا پیچیدہ معاملہ ہے۔

وجہ پنجم:

قرآن مجید کے شعر نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔ جب کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ نیز سورہ یٰسین میں ہے۔ وَمَا عَلَّمۡنَاهُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡبَغِیۡ لَهٗ۔ ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی وہ آپ کے لئے مناسب ہے۔ یہ آیات قرآن کے شعر نہ ہونے کی واضح اور دوٹوک دلیل ہیں۔ مزید یہ کہ جھوٹ ہونے کی وجہ سے شاعری پر ایسے مواقع آئے کہ بقول ابن خلدون، فنِ شاعری اب رؤساء میں عیب شمار ہونے لگا ہے اور اونچے عہدہ داروں کے لئے باعث ننگ و عار بن گیا ہے۔(۱۴) جب شاعری امراء کے لئے عیب بن جاتی ہے تو پھر ایک نبی یعنی سید الکونین ﷺ کے شایانِ شان کس طرح ہو سکتی ہے۔

تاہم اس جگہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر حضور علیہ الصلاۃ السلام کے منہ سے ایسے کلمات نکلے۔ جو بظاہر اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً جنگ حنین کے موقعہ پر جبکہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف کی شدید تیر اندازی سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا

اَنَا النَّبِیُّ لَا کذب

اَنَا ابنُ عبدِ المطلب (۱۵)

میں نبی ہوں، کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر دوسرے موقعہ پر آپ نے فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ

وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوئی ہے۔ جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں ملا۔

بظاہر یہ کلام دو اشعار ہیں۔ اور ان کا تعلق بحر رجز سے ہے۔ اس اشکال کو حل کرنے کے لئے ہم علم عروض کی طرف رخ کرتے ہیں۔ عربی زبان کے ماہرین، عربی ادب کے ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں نے آزاد نثر سے مسجع و مقفیٰ کلام کی طرف قدم بڑھایا ہوگا پھر مسجع نثر سے رجز کی طرف اور بتدریج رجز سے قصیدہ کی طرف ترقی کی ہوگی۔(۱۷)

یعنی شاعری کا ارتقاء رجز سے شروع ہوا اس رجز کی تعریف یہ ہے رجز کا لفظی معنی اونٹ کی پچھلی ٹانگوں کی متوازن حرکت ہے۔ اس کے تمام مصرعے ہم وزن و ہم قوافی اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ یہ عموماً میدان جنگ میں فی البدیہہ کہا جاتا ہے۔ رجز میں ارتجال اولیں شرط ہے۔(۱۸)

رجز کی اس لفظی و اصطلاحی تعریف کے بعد اب اس کی فنی حیثیت پر غور کریں کہ اس کا شمار شعر میں ہوتا ہے یا کہ نہیں۔ ابن سیدہ کا قول ہے کہ رجز شعر ہے اس کی ابتداء میں دو سبب ہیں پھر وتد ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ رجز مشطور اور رجز منہوک۔ جبکہ قوم کی رائے یہ ہے کہ وہ شعر نہیں۔ بلکہ مسجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ خلیل سے دو قول منقول ہیں۔ ایک قول کے مطابق وہ شعر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق رجز کی دونوں قسمیں شعر نہیں۔ رجز منہوک کی مثال اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب انا ابن عبد المطلب اور مشطور کی مثال وَهَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ رجز شعر کی بحروں میں سے ایک مشہور بحر ہے جس کا ہر مصرعہ مفرد ہوتا ہے' اس کے قصیدوں کو اراجز کہتے ہیں واحد ارجوزہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ بھی شعر کی طرح ہے۔ اس کے قائل کو راجز اور شعر کے قائل کو شاعر کہتے ہیں۔(۱۹)

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ رجز کو شعر کہنا اختلافی معاملہ ہے۔ چونکہ اس میں ارتجال کی شرط ہے اور اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ و ردیف بھی ضروری ہے۔ اس لئے یہ شعر سے مختلف ہے۔ جبکہ قافیہ، ردیف اور بحر کی بناء پر ایسے شعر کہنے کی گنجائش ہے۔ بلاغت کے امام زمخشری کا قول یہ ہے "یہ (رجز یہ کلام) اسی قسم کا ہے جب کہ آپ ﷺ تکلف اور بناوٹ کے بغیر با سلیقہ کلام فرماتے۔ ہاں یہ بات ہے کہ یہ اتفاقیہ طور پر بغیر قصد و ارادے کے موزوں شکل میں ادا ہو گیا۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کے خطبات ، پیغامات اور محاورات میں اتفاقیہ وقوعے ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی شخص شعر کا نام نہیں دیتا اور نہ ہی متکلم یا مخاطب کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ وہ کوئی شعر ہے۔ جب اس قسم کے کلام کی تحقیق کی جائے تو وہ فی الواقع بحروں کا وزن رکھتے ہیں.................. علاوہ ازیں علم عروض کا بانی خلیل، رجز مشطور کو شعر نہیں سمجھتا۔(۲۰)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ منہ سے نکلنے والا کلام اگر اتفاقیہ طور پر نظم میں ادا ہو جائے تو وہ شعر نہیں ہوتا۔ رجز کی بحر کو اگر شعر فرض بھی کر لیں تو وہ شعر کی بالکل ابتدائی شکل، یعنی نثر مسجع اور شعر کے درمیان ایک کڑی ہو گی۔ جس کا شمار بعض لوگوں نے شعر میں کیا ہے۔ مگر اس کے برعکس شعر نہ ہونے کا ٹھوس ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب حضور کے دعوئ نبوت کو شاعری اور خود انہیں شاعر کہا تھا تو ولید نے جواب دیا تھا کہ میں شاعر اور شاعری دونوں سے واقف ہوں ان کی باتوں میں نہ رومان ہے نہ رجزیہ..........(۲۱) پھر مخالفین نے بھی ولید کے اس قول پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔

بہر حال حضور علیہ السلام کی ۵۳ سالہ مکی زندگی تو اس رجزیہ کلام سے بھی مکمل طور پر خالی تھی، مدنی زندگی کے آخری سالوں میں اتفاقیہ طور پر ادا ہونے والے اس کلام کی بناء پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کو شاعر اسی طرح نہیں کہا جا سکتا، جیسے اتفاقیہ طور پر اگر کسی سے صحیح نشانہ لگ جائے تو اسے نشانہ باز نہیں کہا جاتا۔

اس تمام بحث کا تعلق قرآنی آیات کی ظاہری بناوٹ، الفاظ کی تراکیب اور اوزان و بحور سے تھا کہ قرآن اور شعر دونوں کا انداز الگ الگ ہے۔ لہٰذا قرآنی اسلوب کا شعری اسلوب سے کوئی تعلق نہیں۔

بحث دوم:

اس بحث کا تعلق معانی سے ہے۔ یعنی قرآنی ادب شعری اسلوب نہیں۔ کیونکہ دونوں کے مضامین و مفاہیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ فرق بھی متعدد وجوہ سے ہے۔

ا۔ قرآن مجید خدائی کلام ہے جو کہ جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ جبکہ شاعری کے متعلق جرجی زیدان لکھتے ہیں:

> ''عرب لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہر شاعر کا ایک شیطان ہوتا ہے۔ جو اس کی طرف معانی کی وحی بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض شعراء کا خیال تھا کہ انہوں نے اپنے شیطان کو دیکھا ہے وہ اس سے ہم کلام ہوا ہے اور اس کی طرف وحی بھیجی ہے۔''(۲۲)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

> ''حضور علیہ السلام کو شاعری میں کوئی رغبت نہ تھی ۔ کیونکہ یہ تفریق پیدا کرنے کا سبب ہے جبکہ آپ ﷺ اہل عرب کو اتحاد کی دعوت دیتے تھے۔''(۲۳)

یعنی آغاز اور مقصد دونوں اعتبار سے قرآن مجید اور شاعری میں نمایاں فرق ہے۔ کہ قرآن مجید کا نزول خدا کی طرف سے ہے۔ جبکہ شاعری کا ورد و شیطان کی طرف سے ہے۔ قرآن کا مقصد اتحاد پیدا کرنا، اور شاعری کا مقصد اختلاف و انتشار کو ہوا دینا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ نمبر۲:

شعر اور شاعری خدمت کا نام ہے۔ شاعر لوگ خدام طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ کسی بادشاہ، سردار اور قوم کی خدمت ہو یا کسی خاص ممدوح کی۔ یہ خدمت بذریعہ مدح کی جاتی ہے۔ اگر اس میں مالی معاوضہ نہ ہو تو بھی قبیلہ کی عظمت یا کم از کم زبانی کلامی داد وصول کرنے کا جذبہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ جبکہ حضور علیہ السلام اور قرآن مجید مخدوم و مطاع ہیں وہ اس لئے آئے ہین کہ لوگ خود کو ان کے مطابق ڈھالیں۔ نہ کہ اشعار کی مثل، کہ جنہیں ممدوح کی پسند اور مزاج کے مطابق ڈھالا جاتا ہے۔ شعر میں ممدوح کی خواہشات بند ہوتی ہیں جو الفاظ کے جامے سے باہر نکلتی ہیں۔ نیز عرب کہاوت کے مطابق ''کلام الملوک ملوک الکلام'' یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ یہ ضرب المثل اگر مکمل طور پر کسی جگہ منطبق ہوتی ہے۔ تو وہ خدا کا کلام ہے۔ کیونکہ وہی ذات ملک الملوک ہے اور اسی کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہے۔

وجہ نمبر۳:

مقاصد کی تفصیل میں جائیں تو شاعری کے بنیادی مقاصد مدح، ہجو اور مرثیہ تھے جبکہ عتاب، تغزل تشبیب، وصف، اور اعتذار بھی ثانوی درجہ میں مقاصد تھے۔ جیسا کہ جرجی زیدان نے شعراء کے غالب اوصاف کو ملحوظ رکھ کر ان کی تقسیم کی ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید کے نزول کے مقاصد: توحید کی تلقین، شرک کی مذمت، اصلاحِ معاشرہ، فواحش و منکرات کی مذمت، مکارمِ اخلاق کا فروغ، روحانی تربیت اور تزکیہ نفس ہیں۔

وجہ نمبر۴:

عرب شاعری میں اگرچہ حکمت بھی تھی۔ جس کا اعتراف خود حضور ﷺ نے ان الفاظ میں کیا تھا اِنَّ مِنَ الشّعْرِ لَحِکمۃً۔ بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ مگر اس کا وجود بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلیل تھا۔ اصل اعتبار تو اکثریت کا ہوتا ہے۔ کہ عرب شاعری کن اوصاف کا مجموعہ تھی؟ قرآن مجید نے اس کے عمومی خدوخال کی حقیقت نگاری اس طرح کی تھی۔ **وَالشُّعَرَاء يَتبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ** (۲۴) شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اسے کرتے نہیں۔

اس آیت کی جامعیت کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ اس کی مکمل تشریح کی جائے۔ تا کہ عرب شعراء کا کردار اور ان کی شاعری کے مختلف رخ ہمارے سامنے آسکیں۔ قرآنی آیت کا پہلا حصہ ہے۔ **وَالشُّعَرَاءُ يَتَبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ**۔ اس کی تشریح میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:

> ”یعنی شاعروں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق و عادات و خصائل اور افتادِ مزاج میں ان لوگوں سے بالکل مختلف ہیں، جو محمد ﷺ کے ساتھ تمہیں نظر آتے ہیں۔ دونوں گروہوں کا فرق ایسا کھلا ہوا فرق ہے کہ ایک نظر دیکھ کر ہی آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں اور وہ کیسے۔ ایک طرف انتہائی سنجیدگی، تہذیب و شرافت، راست بازی اور خدا ترسی ہے...... دوسری طرف حال یہ ہے کہ کہیں عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین بیان ہو رہے ہیں، اور حاضرین اچھل اچھل کر ان پر داد دے رہے ہیں۔ کہیں کسی زنِ بازاری یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حسن موضوع سخن ہے اور سننے والے اس پر مزے لے رہے ہیں۔ کہیں جنسی مواصلت کی حکایت بیان ہو رہی ہے اور پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت طاری ہے۔ کہیں ہزل بکا جا رہا ہے یا مسخرہ پن کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجمعے میں ہر طرف ٹھٹھے لگے ہوئے ہیں۔ کہیں کسی کی ہجو اڑائی جا رہی ہے اور لوگ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں...... یہ لوگ اخلاق کی بندشوں سے آزاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہشات و جذبات کی رو میں رہنے والے اور لطف و لذت کے پرستا رنیم حیوان قسم کے لوگ ہیں۔(۲۵)"(ملخص)

آیت کا دوسرا حصہ ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيْمُوْنَ۔ اس حصے میں شعراء کی اپنی ذہنی کیفیت اور کردار کا بیان ہے کہ وہ کس طرح پراگندہ خیالی اور فکری انتشار میں مبتلا ہوئے ہیں، اس حصے کی تشریح کے لئے امام رازی کی طرف رخ کرتے ہیں۔

اس سے مراد مختلف طریقے اور راستے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ میں ایک وادی میں ہوں اور تو دوسری وادی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر لوگ ایک چیز کی تعریف کرتے ہیں دوسرے لمحے اس کی مذمت کرتے ہیں۔ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ پھر ایک وقت کسی چیز کی عظمت و بڑائی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے اس کی تحقیر کر چکے ہوتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے اشعار کے ذریعے حق کے متلاشی ہوتے ہیں نہ صداقت کے۔ جبکہ حضور ﷺ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ آپ آغاز کار سے معاملے کی انتہا تک ایک ہی اصول کے داعی ہیں۔ یعنی توحید کی دعوت، آخرت کی ترغیب اور دنیا سے بے رخی۔(۲٦)

آیت بالا کا تیسرا حصہ ہے وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ. یہ لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر شعراء کسی کردار کے مالک نہیں ہوتے۔ اپنے ممدوح کو سخاوت کی ترغیب دلائیں گے۔ مگر خود بخیل ہونگے۔ رائی جتنے عیب کو پہاڑ بنا کر پیش کریں گے۔(۲٦) گفتار کے غازی ہونگے۔ مگر کردار میں نکھے بلکہ غلیظ ہونگے ۔ اس قسم کا ایک دلچسپ واقعہ زمخشری نے نقل کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ مشہور شاعر فرزدق ، اموی حاکم سلیمان بن عبد الملک کے دربار میں قصیدہ سنانے لگا۔ فحش گوئی اور عریاں بیانی کرتے ہوئے اپنے متعلق کہہ بیٹھا۔ فَبِتْنَ بِجَانِبِي مُصَرعَاتٍ وَبِتُّ اُفُضي اَغْلَاقَ الخِتام۔ اس شعر میں فرزدق نے کنواری عورتوں سے اپنی ہم آغوشی اور ہم بستری کا کھل کر اظہار کیا تھا۔ جس کی بناء پر وہ حد زنا کا مستحق ہو گیا۔ اس لئے سلیمان بن عبد المالک نے کہا تجھ پر حد واجب ہو گئی۔ تو اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرزدق نے فوراً پلٹا کھایا اور کہا:

> قرآن مجید مجھے اس حد سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں شعراء کے متعلق مذکور ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔''(۲۷)

اس سے واضح ہوا کہ شعراء اور ان کے حامیوں کا کردار کتنا بھیانک تھا اور قرآنی بیان کس قدر حقیقت بیانی پر مبنی تھا۔

اشکال:

موجودہ دور میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ شعر و شاعری کی یہ مذمت محض قدامت پسندانہ نظریات کی حامل ہے۔ جس کے پس پردہ قرآنی تعلیمات ہی کی جھلک ہے۔ یہ تعلیم روشن خیالی، جدت پسندی اور تفریح سے بالکل خالی ہے۔ اس طرح یہ تمام بحث یک رخی تصویر، جانبدارانہ نظریہ اور مذہبی تعصب پر مشتمل ہے۔ جس میں اعتدال کی بجائے مبالغہ اور نری خشک مزاجی ہے۔

آیئے اس اشکال کو حل کرنے کے لئے ہم یورپ کے قدیم فلاسفر اور جدید مفکرین کی آراء معلوم کریں۔ تاکہ عقلیت پسندوں اور آزاد خیالوں کا مؤقف بھی سامنے آئے کہ وہ شعر و شاعری کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

سولہویں اور سترہویں صدی کا زمانہ، علمی و ادبی روایات کی نشأۃِ ثانیہ کا زمانہ ہے۔ اس دور میں جہاں دیگر علوم و فنون پر تحقیق ہو رہی تھی۔ وہاں شاعری بھی فکری جولان گاہ بنی ہوئی تھی فنی اعتبار سے اس عہد میں شاعری پر خاص اعتراضات یہ تھے۔

۱۔ شاعری کا مطالعہ تضییع اوقات ہے۔ اس لئے کہ اس کے سوا اور بہت سے مفید علوم موجود ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ شاعری جھوٹ کی ماں ہے اور ہر قسم کے دروغ کا ماٴخذ ہے۔

۳۔ شاعری کردار کے لئے مضر ہے۔ یہ کردار کو بیمار خواہشات کے ذریعے کمزور کرتی ہے اور نوجوانوں کے ناپختہ ذہنوں کو واہموں سے بھرتی ہے۔

۴۔ افلاطون کی سند موجود ہے کہ اس نے اپنی مثالی ریاست سے شاعروں کو نکال دیا تھا۔(۲۹)

اس بحث کی مزید تفصیل یہ ہے کہ افلاطون جو کہ یونان کا مشہور حکیم، فلسفی اور معلم اخلاق بھی تھا شاعری پر دو حوالوں سے اعتراض کرتا ہے۔

۱۔ فلسفیانہ نکتہ نگاہ سے کہ وہ حقیقت سے دو قدم پیچھے ہوتی ہے۔

۲۔ اخلاقی بنیاد پر، کہ وہ جذبات کو کچلنے کی بجائے انہیں مشتعل کرتی ہے۔ لہٰذا مخربِ اخلاق ہے۔ یہ اعتراضات آج تک انہی دو حوالوں سے ہو رہے ہیں۔(۳۰)

بعض لوگوں نے دفاع کرنے کی بھی کوشش کی۔ مثلاً شاعری پر اعتراض کہ وہ جھوٹ کی ماں ہے۔ سڈنی اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ:

> ''شاعر جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ تو اپنے تخیل کی مخلوق کا نام اس طرح رکھتا ہے۔ جیسے وکلاء لوگ عمرو بکر اور زید کے فرضی ناموں سے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔''(۳۱)

یعنی شاعری کے جھوٹ ہونے کا دفاع کرنے کے لئے اس نے شاعری کو تخیل اور مفروضہ تسلیم کر لیا اور پھر شعراء کو وکلاء قرار دے دیا۔ اب خود غور کر لیجیے کہ اس جواب میں کیا وزن باقی رہتا ہے۔

بہرحال شاعری کے متعلق مندرجہ بالا بحث کا موازنہ قرآن مجید سے کریں تو دونوں میں صریح تعارض ہے۔ کیونکہ قرآن حقیقت و صداقت ہے، (۲) سفلی خواہشات کو کنٹرول اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتدال میں رکھ کر انسان کی کردار سازی کرتا ہے۔ ناپختہ ذہنوں میں حقائق کی آبیاری کر کے اخلاق فاضلہ کی نشوونما کرتا ہے اور اپنے قاری کو بھرپور عمل زندگی پر ابھار کر اسے مجاہد کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔

جدید دور کے تنقید نگاروں میں سے ڈرائیڈن کو انگریزی ادب کا ناقد کہا جاتا ہے۔ اس کا نظریہ ہے کہ:

''کہ اگر شاعری کا محض یہی مقصد نہیں کہ وہ مسرت بخش ہو تو کم از کم یہ اس کا خاص مقصد ضرور ہے۔ دَرْس (نصیحت) کو بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ اس کی ثانوی حیثیت ہے۔ اس لئے کہ شاعری محض اس وقت درس دیتی ہے جبکہ وہ مسرت بخش ہو۔''(۳۲)

اس حدیث سے بھی قرآن اور شاعری دونوں کی راہیں جداگانہ ہیں۔ کیونکہ قرآن کا اولین مقصد ہدایت ہے اور شاعری کا مقصد مسرت ہے۔شاعری کے متعلق افلاطون کا ایک نظریہ یہ بھی تھا۔ کہ:

۱۔ ''شاعری ماورائے عقل ہوتی ہے۔ جس کے دو معنی ہیں۔ عقل سے بالاتر یعنی وجدان۔''

۲۔ ''عقل سے کم تر ہو یعنی جبلت''(۳۳)

اس لحاظ سے موازنہ کریں۔ تو شاعری اور قرآن میں کوئی وجہ اتصال نہیں۔ کیونکہ قرآنی تعلیمات بشمول قصص ماورائے عقل نہیں۔ وجدان کا تعلق تو انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن خالصتاً وحی الٰہی ہے۔ اس لئے وہ وجدان سے ہر طرح برتر ہے۔ نیز قرآن مجید کو جبلت کی تعلیم کہنا تو ویسے ہی فضول ہے۔ کیونکہ جبلت تو حیوانوں میں بھی ہوتی ہے۔ جبکہ قرآن تو انسان کو کامل انسان بنانے کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ حیوانیت کی طرف لانے کے لئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری کو وجدان کے علاوہ الہام بھی کہا جا سکتا ہے ۔مگر الہام کا درجہ بھی وحی سے کم ہے اس لئے قرآن نہ الہام ہے اور نہ شاعری کا الزام اس پر منطبق ہوسکتا ہے۔

مبدأ و آغاز کے لحاظ سے غور کریں تو شاعری کا آغاز تخیل ہے۔ پھر الفاظ کی تجسیم، یعنی اظہار کا پیرایہ، یا وہ مشاہدے کا تخیلاتی استعمال ہے۔ یعنی شعر کی تخلیق تخیل سے خالی نہیں۔ پہلی صورت میں شاعری سراپا تخیل ہے۔ دوسری صورت میں تخیل سے مرکب ہے۔ کیونکہ قوتِ متخیلہ ہی اس میں زندگی ڈالتی ہے۔ جبکہ قرآنی مضامین حقیقی وقائع کو سامنے لاتے ہیں۔ تخیل کی دنیا سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ تخیل کے بادل پھٹتے ہیں تو حقیقت کی کرنیں نمودار ہوتی ہیں۔

اگلے مرحلے میں دیکھیں تو شعر کا ایک خاص وصف مبالغہ ہے۔ جسے شاعری کا حسن کہا جاتا ہے۔ اسی لئے شاعری مبالغے سے مبرا نہیں ہوتی اور کسی بھی چیز کی حقیقت بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔ یہ وصف بھی قرآنی مزاج کے برعکس ہے۔ کیونکہ قرآن مجید تو عدل اور توازن کی تعلیم دیتا ہے اور ہر نظام کے متعلق اس کی ہدایت ہے: **وَاَقِیۡمُوۡا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوۡا الۡمِیۡزَانِ**۔(۳۴) انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو مت گھٹاؤ۔

تاریخی اعتبار سے شاعری کا آغاز ڈھونڈیں تو جرجی زیدان کے بقول قصصی شاعری غنائی سے پہلے وجود میں آئی۔ اس کا فروغ جنگوں سے ہوا۔ یونان و فارس کی جنگیں پھر یورپ کے صلیبی معرکے اس کا ثبوت ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں نے اپنی جنگی کارناموں کو رزمیہ شاعری کی صورت میں مرتب کیا اور نتیجے میں مہا بھارت اور رامائن جیسی کتب وجود میں آئیں۔ (۳۵) احمد حسن زیات کے خیال میں شاعری کی ابتداء غنا سے ہوتی ہے۔لفظ شعر عبرانی لفظ شیر سے مأخوذ ہے۔جس کا معنی ہے گانا بجن۔ اس طرح کا مأخذ غنا اور موسیقی ہے۔(۳۶)

دونوں میں سے جو بیان بھی صحیح ہو۔ قرآن مجید کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ابتداء غارِ حرا کی خلوت نشینی سے ہوتی ہے۔ جہاں نہ جنگی معرکے تھے اور نہ ہی غناو موسیقی کی تخلیق ۔ اس سنسان مکان میں لا مکان سے رابطہ استوار ہوا پھر علم و حکمت کے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ تھی وحی ،یعنی پیغام رسانی کا ایسا نظام کہ شاعری اور سائنس کی اصطلاحیں جس کی تشریح کرنے سے قاصر ہیں۔

اچھا شاعر:

ابن قتیبہ اچھے شاعر کا تعارف اس طرح کراتا ہے:

> ''قصیدے کی ابتداء میں شاعر دیار و آثار کا ذکر کرتا ہے۔ شکوہ و شکایت کرتے ہوئے دیارِ حبیب کو خطاب کرتا ہے اور دوستوں کو ٹھہراتا ہے۔ تاکہ گھر چھوڑنے والوں کو یاد کر سکے۔ کیونکہ خیموں میں رہنے والے لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرتے رہتے تھے۔ پھر عاشقانہ اشعار پیش کرتا ہے۔ شدتِ عشق میں فراق کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ کیونکہ عاشقانہ اشعار سے سب کو دلچسپی ہوتی ہے۔ اور عورتوں میں ہر شخص رغبت کرتا ہے۔ جب لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تو حقوق کا ذکر چھیڑتا ہے۔ اپنے سفر اور تھکاوٹ کا بیان کرتا ہے۔ جب اپنی امید کا حق پیش کر دیا اور ممدوح کو معلوم ہوگیا تو اس کی تعریف شروع کرتا ہے اور انعام پر بھڑکاتا ہے۔'' (۳۷)

مندرجہ بالا بیان:

شاعری کے نقطہ نظر سے تو قابل تحسین ہوسکتا ہے۔ لیکن حقیقت و صداقت کے آئینے میں دیکھیں تو یہ تمام چیزیں تصنع، تکلف ، منافقت ریاکاری اور خودغرضی جیسے اوصاف کا ملمع ہیں۔ اس پوری بحث میں شاید ہی کوئی ایسا وصف ہو۔ جو اعلیٰ انسان کے لئے قابل تقلید ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ یہ اوصاف انسان کے لئے مہلک اور تباہ کن ہیں، اس لئے قرآن کا ان سے کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض کے ہاں شاعر کا خوش رو ہونا بھی ضروری ہے۔ امام مالک اپنا قصہ بیان کرتے ہیں:

> ''جب میں بچہ تھا تو گویوں کے پیچھے لگا رہتا۔ ان سے گانا سیکھتا۔ ایک دن میری ماں نے مجھ سے کہا بیٹا! اگر گویا بدشکل ہوتا ہے تو اس کا گانا مقبول نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم گانا چھوڑ کر فقہ سیکھ لو۔ اس لئے کہ فقہ کے ساتھ بدشکلی کچھ نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس پر میں نے گویوں کی صحبت چھوڑ دی۔'' (۳۸)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ناکامی کے خوف سے شاعری کی بزم چھوڑ کر آنے والا شخص جب قرآن و حدیث کی محفل میں آتا ہے تو دنیا کا امام بنتا ہے اور بدشکلی کا پہلو ایسا اوجھل ہوتا ہے کہ کوئی اس کا ذکر تک نہیں کرتا۔

شعراء کی اقسام:

ا۔ طباع:

وہ لوگ جن کی طرف اشعار کی آمد ہوتی ہے۔ جونہی طبیعت موزوں ہوئی الفاظ و معانی کا سرچشمہ پھوٹ پڑا اور شاعر نے اسے محفوظ کر لیا۔

۲۔ متکلف:

جو غور و فکر اور محنت کے بعد اشعار کہتے۔ پھر ان کی تنقیح کرتے۔ کئی ماہ تک کانٹ چھانٹ کرتے رہتے۔ مثلاً زہیر اور حطیئہ وغیرہ۔ (۳۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں سے دوسری قسم کے ساتھ تو حضور علیہ السلام کا سرے سے تعلق نہیں۔ قرآن تو کجا یہ تعریف تو حدیث پر بھی منطبق نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ فی البدیہہ گفتگو کرتے اور فی البدیہہ خطبے دیتے تھے۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس میں قدر مشترک صرف اسی قدر ہو گی کہ حضور علیہ السلام کی طرف وحی کی آمد ہوتی ہے۔ جس کے نزول کا تعلق طبیعت کی موزونیت سے نہیں، بلکہ خالصتاً خدا کے فضل وکرم سے تھا۔ جبکہ شعراء کی طرف اشعار کی آمد کا تعلق مخصوص احوال و کیفیت سے تھا۔ جس کی بحث آئندہ ہو گی۔

مقاصد:

شاعری کا بنیادی مقصد مدح و ہجو تھا۔ جس کے ذریعے مخصوص افراد کی اچھائی یا برائی بیان کی جاتی ہے۔ اس مدح و ہجو کے اغراض بھی ذاتی قسم کے ہوتے۔ جبکہ قرآن مجید بنیادی طور پر رشد وہدایت کی کتاب ہے۔ گو اس میں مدح و ہجو پر مشتمل آیات ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس میں اچھائی یا برائی اوصاف کی بناء پر کی جاتی ہے نہ کہ ذاتیات کے اعتبار سے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی مدح و ہجو کا انداز عام طور پر اجتماعی قسم کا ہوتا ہے۔ اور اس سے مقصود عبرت دلانا ہے نہ کہ کسی خاص شخص کو ذلیل یا پریشان کرنا۔

شاعری کا تیسرا مقصد مرثیہ تھا۔ جس میں مردہ کے اوصاف و کردار کو بیان کیا جاتا۔ درحقیقت یہ بھی مدح ہی کی قسم تھی۔ قرآن مجید اس قسم کے مواقع پر صبر واستقلال کی تلقین کرتا ہے۔ اس کی تعلیم ہے:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْن.................(الخ)(۴۰)

''صبر کرنے والوں کو بشارت دے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔"

۴۔ شاعری کا چوتھا مقصد فخر وحماسہ تھا۔ جس میں وہ اپنی ذات یا قبیلہ کی بڑائی، اس کے فخریہ کارنامے شجاعت و بسالت کی داستانیں منظوم کرتے۔ حسب و نسب پر فخر کرتے۔ ان اوصاف کے برعکس قرآن کا پیغام یہ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (۴۱)

"تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فخر وغرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (۴۲)

۵۔ شاعر لوگ اپنے قصیدے کے آغاز میں عموماً تشبیب وتغزل کرتے۔ جس میں عورتوں کے حالات واقعات کا ذکر کرتے۔ جس کا مقصد سامعین کے لئے کشش پیدا کرنا ہوتا۔ (جیسا کہ آج کل کی کمپنیاں اپنی مصنوعات پر عورتوں کی تصاویر چسپاں کر کے انہیں بطور اشتہار استعمال کرتی ہیں۔) پھر اس سے گریز کرتے ہوئے اپنے ممدوح کی طرف رخ کرتا۔

یہ انداز بیان قرآنی تعلیمات سے صریحاً متعارض تھا۔ کیونکہ عورتوں کے حسن و جمال کا بیان تو ایک طرف قرآن تو انکا نام تک ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں خاوندوں کی نسبت سے پکارتا ہے۔ ماسوائے حضرت مریم کے کیونکہ وہ کنواری تھی۔ خاوند کی نسبت سے بلانا ممکن نہ تھا۔

تاہم اہل عرب چونکہ تشبیب کے انداز سے نہایت مانوس تھے۔ اس لئے قرآن مجید نے لفظوں کی حد تک یہ انداز اختیار کیا۔ جبکہ معنوی طور پر اس سے ملائکہ وغیرہ مراد لئے۔ مثلاً وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔................(الخ) قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو مسلمان کا بند آسانی سے کھولتے ہیں۔ گویا تیرتے ہوئے چلتے ہیں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ ہر کام تدبیر سے کرتے ہیں۔ (۴۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر گوئی کے لئے محرکات و اسباب:

انسان اپنے فکر کی بلندی ، ذہن کی پاکیزگی اور بدیہہ گوئی میں کسی بھی مقام پر فائز ہو۔ پھر بھی بعض اوقات اسے اپنی طبیعت کو برانگیختہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ بالخصوص شعر گوئی کے لئے کیونکہ بسا اوقات شاعر پر ایسے مرحلے آتے ہیں۔ کہ اس کی شعر گوئی کی صلاحیت معطل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی کلام کو منظوم نہیں کرسکتا۔ فرزدق کا کہنا تھا۔ مجھ پر ایسی گھڑی آتی ہے تو میرے لئے داڑھ اکھڑوانا شعر کہنے کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔

چونکہ ہر آدمی کا مزاج اور طبیعت مختلف ہوتی ہے ۔ اس لئے طبیعت میں آمادگی پیدا کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ذوالرمہ (شاعر کا نام) کا کہنا تھا کہ اگر شعر گوئی مجھ پر رک جائے تو میرے پاس اس کی چابی یہ ہے کہ میں دوستوں کی محفل سے نکل کر خلوت میں چلا جاؤں۔ اخطل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود کو شعر گوئی پر اکسانے کے لئے شراب پیتا۔ (بلکہ شراب نوش شاعروں کا تو یہ عمومی دستور ہے) شاعروں کا ایک گروہ ایسے موقع پر اپنے شیاطین کو ابھارتا۔ مثلاً ایک مرتبہ فرزدق کو جوابی قصیدے کے لئے تین ایام کی مہلت ملی۔ مگر اس کی طبیعت پر جمود طاری رہا۔ اس اضطراری کیفیت میں وہ گھر کے اندر گھومتا پھرا۔ شعر سوچتا رہا۔ مگر طبیعت موزوں نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ بالاخر وہ اونٹنی پر سوار ہو کر شہر کے قریب پہاڑ کی طرف جا نکلا اور کہا اَخَاکُمْ اَخَاکُمْ یَا اَبَا لُبْنٰی. یعنی اپنے شیطان کو پکارا۔ اچانک طبیعت میں ابلتی ہنڈیا کی طرح جوش پیدا ہوا ۔ اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ اس کا سہارا لے کر خود بھی بیٹھ گیا اور ۱۱۳ اشعار کہہ ڈالے۔

جریر، اس مقصد کے لئے نبیذ پیتا۔ بستر یا زمین پر لوٹتا، گنگناتا۔ ننگے ہو کر گھسٹتا پھرتا دیکھنے والا شخص یہ خیال کرتا کہ اس پر دیوانگی طاری ہو گئی ہے۔ ابو تمام کا دستور یہ تھا کہ اپنی طبیعت کی اس مردنی اور لاچاری کا علاج کرنے کے لئے پانی کے تالاب میں غوطے لگاتا اور کچھ دیر اس میں ٹھہرتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر زمانے کے شاعروں کے اسی قسم کے اطوار منقول ہیں اور طبیعت کو برانگیختہ کرنے کے عمومی طریقے یہ ہیں۔ بہتے ہوئے پانی کے قریب بیٹھنا، اونچے مقامات سے جھانکنا، دور ویرانوں میں نکل جانا، باغات میں گھومنا، چت لیٹنا، صبح سویرے نیند سے بیدار ہو کر اس عمل میں منہمک ہونا (۴۴) دور جاہلی کے چوٹی کے شعراء کے متعلق بھی اسی قسم کی کیفیات منقول ہیں، مثلاً نقاد کا کہنا ہے کہ بہترین شاعر امرؤ القیس ہے جب وہ سوار ہو، زہیر جب وہ شوق کرے، نابغہ جب وہ خوف زدہ ہو، اور اعشیٰ جب وہ مست و مدہوش ہو۔(۴۵)

خلاصہ کلام یہ کہ سبھی شعراء انقباض کی کیفیت میں مبتلا ہوتے اور پھر انبساط پیدا کرنے کے لئے عجیب وغریب ہی نہیں بلکہ نہایت گھناؤنی حرکات کرتے۔ تب جا کر ان کے مزاج میں انشراح پیدا ہوتا اور شعر گوئی کے لئے طبیعت میں روانی آتی۔

دوسری طرف نبوت کا منصب اور صاحب نبوت کا کردار ہے کہ وہ ان تمام شعری عوارض سے منزہ اور تمام تکلفات سے آزاد اور بے نیاز ہے۔ اگر وحی کی آمد کا سلسلہ بند ہوتا ہے تو وہ سراپا انتظار ہے کیونکہ اس وحی کا تعلق اپنی طبیعت کے جمود اور روانی سے نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق صرف اور صرف خدائی فیضان اور اس کی مشیت سے ہے۔ کہ وہ جب چاہے اور جتنا کلام چاہے۔ نازل کردے اور جب چاہے اس کا سلسلہ روک دے۔

حضور ﷺ کے سیرت نگاروں اور محدثوں نے آپ کی سیرت کا ہر پہلو اجاگر کیا۔ جلوت وخلوت کی حرکات وسکنات کا ذکر کیا۔ مستشرقین نے عیب جوئی کے لئے آپ کی زندگی کا ہر گوشہ کھنگالا۔ مگر کسی بھی شخص نے آپ کی طرف اس قسم کی واہیات حرکات کو منسوب نہیں کیا کہ وحی نہ آنے کی صورت میں آپ اسی قسم کے لغو اور بیہودہ طور طریقے اختیار کرتے، فلاں کیفیت نشاط انگیز ہوتی یا فلاں وقت اور مقام پر آپ کی طبیعت میں موزونیت ہوتی اور اس وقت اپنا کلام تیار کر کے اسے وحی کے نام سے پیش کر دیتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجتاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جہت سے بھی قرآن اور شاعری کا کوئی تعلق نہیں ۔ نیز مخالفین کے اس الزام کی بھی از خود تردید ہو گئی، کہ قرآن مجید کوئی الہامی کتاب یا آسمانی وحی نہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کا طبع زاد کلام ہے۔

شعر گوئی کے عمومی اسباب یہ چار ہی بتلائے جاتے ہیں۔

جنگ، موت، محبت، اجتماعی مصیبت(۴۶)

ان میں سے کوئی چیز بھی حضور کی ذات پر منطبق نہیں ہوتی۔ کیونکہ ۴۰ سال کی عمر میں جب وحی کا نزول شروع ہوا۔ اس وقت مکہ اور اس کے گرد و نواح میں جنگ کا نام و نشاں نہ تھا۔ نہ آپ کو کسی عزیز کی وفات کا صدمہ لاحق تھا۔ نہ آپ کسی کی محبت کے اسیر تھے اور نہ ہی کسی اجتماعی مصیبت میں مبتلا تھے بلکہ آپ معاشی لحاظ سے آسودہ ، معاشرتی اعتبار سے معزز اور خانگی زندگی میں نہایت مطمئن تھے۔

بحث نمبر۳ :

قرآن اور شعر میں چند مناسبتیں :

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے اگر قرآن مجید نہ نثر ہے اور نہ شعر تو پھر یہ کلام کی کونسی قسم ہے؛ اور اسے شعر کے ساتھ کچھ مناسبت و موافقت بھی ہے کہ نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ظاہری طور پر یعنی لفظی حیثیت سے قرآن مجید نثر مرسل تو بالکل نہیں اور نہ ہی شعر ہے البتہ نثر مسجع اور شعر کے درمیان ایک نئی صنف کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ بقول ابن خلدون قرآن میں نثر مسجع کی طرح فواصل ہیں مگر تقطیع نہیں ۔شعر کی طرح ہر آیت میں مکمل مضمون ہے مگر وزن نہیں۔ اس طرح قرآن مجید کو دونوں قسموں سے یک گونہ تعلق بھی ہے اور یک گونہ اختلاف بھی۔

مفہوم و معنی کے اعتبار سے بھی شعر کے ساتھ کچھ موافقات ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ فصاحت:

نثر کی نسبت شعر میں فصاحت اور زورِ کلام زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے زور دار الفاظ اور مخصوص قسم کی بناوٹ زیادہ دلکشی اور اثر آفرینی کا باعث بنتی ہے۔ جس کی وجہ سے طبائع کا رجحان شعر کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ یہ اوصاف قرآن مجید میں بدرجہ اتم موجود تھے اس لئے اس کی جاذبیت بھی زیادہ تھی۔

۲۔ آغاز:

عربی شاعری میں آغاز کے اعتبار سے مختلف انداز تھے.................. ''کبھی غیر معین سے پوچھا جاتا ۔ اَلَمْ تَسأَلُ فَتَجُوبُکَ الرسوم۔ پھر کلام میں جملے کبھی انشائیہ ہوتے، کبھی خبریہ، کبھی اسمیہ ہوتے اور کبھی فعلیہ۔(۴۷) یہ انداز قرآن میں بھی موجود ہیں بلکہ احکامی آیات میں بھی اسی قسم کے خبریہ جملے موجود ہیں۔ حالانکہ اصولاً ایسے مواقع پر صرف انشائیہ جملے ہوتے ہیں مگر قرآن نے عرب مزاج کی مانوسیت کے لئے یہ انداز بھی اپنایا۔ مثلاً وَلَتَدْخُلُنَّ الْمَسجدَ الْحَرَامَ اگرچہ صیغہ خبر ہے۔ لیکن مقصود اس سے امر ہے۔ آیت کا مفہوم ہے کہ تم مسجد حرام میں داخل ہو جاؤ۔(۴۸)

۳۔ حفاظت:

نثر کی نسبت نظم کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے۔ عرب لوگ بیسیوں اشعار پر مشتمل قصائد تیار کرتے اور سینوں میں انہیں محفوظ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب شعراء کا کلام وسیع پیانے پر منقول ہے۔ جبکہ لوگ اسے آسانی سے یاد کر لیتے ہیں اور ہر دور میں مسلمانوں کے اندر حفاظ کا بڑا طبقہ موجود رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔قرآن مجید نے بعض مقامات پر عرب شعراء کی طرح اپنی سورتوں کا آغاز تشبیب کے انداز میں کیا یہ مناسبت صرف الفاظ کی ساخت اور بناوٹ کی حد تک تھی۔ جبکہ معنوی طور پر اس سے ملائکہ اور ہوائیں وغیرہ مراد تھیں۔ مثلاً سورہ وَالنَّازِعَات، وَالْمُرْسَلاتِ۔ وغیرہ۔

۵۔عرب شعراء اپنے قصیدوں میں گھوڑے کے اوصاف بیان کرتے ۔قرآن مجید نے سورہ وَالْعَادِیَاتِ میں گھوڑوں کے مختلف اوصاف بیان کیئے۔ مثلاً تیز رفتاری، بہادری گرد اٹھانا، دشمن پر حملہ کرنا یہ سورت ادبی لحاظ سے توجہ طلب ہے کہ بظاہر اس میں تشبیب کا انداز ہے مگر درحقیقت گھوڑوں کے اوصاف ہیں۔ نیز صبح کی منظر کشی ہے۔ اس طرح سورت کا آغاز تین اندازوں کا مجموعہ ٹھہرتا ہے۔

گھوڑے کی تعریف میں عرب شعراء نے بہت سے اشعار لکھئے۔ مثلاً امراؤ القس کے مشہور قصیدے میں دس اشعار کا تعلق گھوڑے کے ساتھ ہے۔ جس میں سے بہترین شعر مندرجہ ذیل ہے۔(۴۹)

مِکَرٍّ، مِفَرٍّ، مُقْبِلٍ، مُدْبِرٍ مَعًا

کَجُلْمُوْدِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّیْلُ مِنْ عَلِ

بار بار پلٹنے والا، بھاگنے والا، آگے بڑھنے والا، ساتھ ہی پیچھے ہٹنے والا۔ پتھر کی اس چٹان کی طرح جسے سیلابی ریلے نے نیچے گرا دیا ہو۔

موازنہ:

اس جگہ امراؤ القیس صرف ایک گھوڑے کا وصف بیان کرتا ہے کیونکہ اس کی فکری دسترس کا تقاضا ہی یہ ہوتا تھا، کہ ذاتی گھوڑے کی تعریف کرتا۔ اس شعر میں گھوڑے کے دو اوصاف یعنی دلیری اور تیز رفتاری کا بیان ہے۔ پہلا لفظ مکر، اگر مدبر کے بعد آتا تو اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال کے شعر، پلٹنا، جھپٹنا، پلٹ کر جھپٹنا، کا مفہوم ادا ہو جاتا۔ جو کہ اس وقت موجود نہیں۔ کیونکہ درمیان میں مفر آنے سے تسلسل ٹوٹ گیا ہے۔ مدبر کا لفظ میدان جنگ سے بھاگ جانے والے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہ خوبی کی بجائے عیب بھی بن سکتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں تیز رفتاری بیان کرنے کے لئے اسے چٹان سے تشبیہہ دی ہے جسے پانی نے گرا دیا ہو۔ مگر یہ سقوط یعنی زوال ہے نہ کہ سرعت۔ کیونکہ سرعت میں آگے کی طرف بڑھنا ہوتا ہے نہ کہ نیچے کو گرنا، اس لئے یہ تشبیہ گو انوکھی ہے۔ مگر ناقص ہے۔ نیز تیز رفتاری اور چستی پھرتی دو الگ چیزیں ہیں۔ پہلے مصرعے میں چستی پھرتی کا کچھ مفہوم ہے مگر دوسرے مصرعے میں تشبیہ دیتے وقت صرف تیز رفتاری کا وصف ملحوظ ہے۔ جس کی وجہ سے تشبیہ ادھوری ہے۔

دوسرے شعر کا ترجمہ ہے۔ کمیت رنگ کا ایسا چکنی کمر والا ہے کہ نمدہ کو کمر سے ایسے پھسلاتا ہے جیسے چکنا سخت پتھر بارش کو۔

اس شعر میں پھر پتھر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے ایک گو نہ تکرار لازم آتا ہے۔ بقیہ اشعار میں بھی اسی طرح تیز رفتاری کا بیان ہے، اندرونی کمالات کی بجائے گھوڑے کے جسمانی اوصاف کے بیان پر زور ہے۔

اب قرآنی سورت وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (۴۹)

''ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔'' (۵۰)

''پھر ٹاپ مار کر آگ نکالتے ہیں۔'' (۵۱)

پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں۔

پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔

ان پانچ چھوٹی چھوٹی آیتوں میں گھوڑوں کی جنس کی تعریف کی گئی ہے۔ کیونکہ خالق باری تعالیٰ کے شایاں شان یہی تھا کہ کسی ایک گھوڑے کی بجائے اجتماعی طور پر گھوڑوں کا وصف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کرنا۔ معنوی لحاظ سے ان آیات میں گھوڑوں کی تیز رفتاری اور دلیری کے ساتھ مقصد کا بھی بیان ہے۔ پہلی آیات میں ان کی سبک خرامی اور مسلسل تیز روی کا اظہار ہے۔ جیسا کہ ضبحاً کے لفظ سے واضح ہوتا ہے۔ دوسری آیت میں دو کنائے ہیں۔ رات کے وقت چلنا اور سنگلاخ علاقوں میں دوڑنا۔ کیونکہ چنگاریاں رات کو نظر آتی ہیں اور پتھریلی زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس انداز بیاں میں قرآن نے جدتِ اسلوب اختیار کی ہے۔ تیسری آیت کے حملوں یعنی مقصد کا ذکر ہے۔ اور وہ بھی مجازی انداز میں۔ کیونکہ گھوڑے خود حملہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے سوار حملہ کرتے ہیں۔ چوتھی آیت میں شدید اور بار بار کے حملوں سے کنایہ ہے۔(۵۱) کیونکہ صبح کے غبار اٹھنے کے لئے ضروری ہے کہ شدید اور گھمسان کی جنگ ہو۔ پانچویں آیت میں حصول مقصد کی خاطر سر دھڑ کی بازی کا بیان ہے کہ لشکر کے وسط میں جا گھستے ہیں۔

ان پانچوں آیتوں میں صوتی ہم آہنگی، مضمون کی بلندی اور مفہوم کے تسلسل کے علاوہ حقیقت نگاری نیز قدیم جنگی ماحول کی ایسی منظر کشی ہے۔ جو جدید عسکری ماحول پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

۶۔ جاہلی شاعری:

جاہلی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں:

''شاعر انتہائی کوشش کرتا ہے کہ ہر شعر میں ایسے معانی پیدا کئے جائیں کہ وہ اپنی افادیت میں مستقل ہو اور کسی بات کا محتاج نہ رہے۔ اس طرح وہ قصیدے کے ہر شعر کو مستقل بنا کر قصیدے میں داخل کرتا ہے اور ایک مضمون و مقصود سے دوسرے مضمون و مقصود کی طرف اس خوبصورتی سے نکل جاتا ہے۔ کہ پڑھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یعنی پہلے ایک مضمون کی اس طرح تمہید باندھتا ہے کہ وہ دوسرے مضمون کی مناسبت معلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے لگتی ہے۔ پھر پہلا مضمون چھوڑ کر دوسرا مضمون اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے عشقیہ اشعار کہتے ہوئے اچانک ممدوح کی طرف، یا کھنڈرات کے بیان سے اونٹوں اور گھوڑوں کی طرف۔ اسی طرح ممدوح کے اوصاف سے ہٹ کر اپنی قوم کی طرف۔(۵۷)......

اس قسم کا انداز ہم قرآن مجید میں بھی دیکھتے ہیں کہ مختلف آیات مستقل مضمون کی حامل ہیں اوران میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف خوبصورتی سے انتقال ہوتا ہے۔ مثلاً۔تیس آیات پر مشتمل سورہ فجر میں غور کیجئے۔ پہلی پانچ آیات قسمیہ ہیں۔ پھر مختلف عذاب زدہ قوموں کا مختصر بیان ہے۔ بعد ازاں انسانی مزاج کا بیان اس کے بعد مال خرچ کرنے کی ترغیب اور آخر میں قیامت کی منظر کشی کر کے نیک اشخاص کو خوشخبری دی ہے۔

قرآن کے ادبی اثرات:

ا۔ قرآن اپنے الفاظ کی شوکت، معانی کی جدت اور مضمون کی بلندی کی بناء پر گہری اثر آفرینی کا حامل تھا۔ چنانچہ اس کی تلاوت سن کر بہت سے افراد کی کایا پلٹ گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ:

''اس کی فصاحت و بلاغت سے آپکا پتھر دل موم ہوا اور پھر درِ اقدس پر حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔طفیل بن عمرو دوسی حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور فخر یہ طور پر کہا میں شاعر ہوں میرے شعر سنیئے۔آپ نے اشعار سنے۔ پھر جواب میں سورہ اخلاص اور معوذ تین سنائیں۔ جس پر وہ مسلمان ہو گئے۔''(۵۴)

قرآن مجید کی اس اثر آفرینی کا خوف تھا، کہ اہل عرب کسی شخص کو حضور کے پاس نہ آنے دیتے کہ کہیں وہ آپکے کلام سے متاثر ہو کر اپنے آبائی عقائد سے بغاوت نہ کر دے۔ مگر دوسری طرف خود ان کی یہ حالت تھی، کہ ابوجہل ، ابوسفیان اور اخنس بن شریق کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منقول ہے کہ شب کو گھر سے نکلے اور آنحضرت ﷺ کی تلاوت سننے لگے اور طلوعِ سحر تک سنتے رہے۔ یہ واقعہ تین ، دن تک متواتر پیش آیا۔ (۵۵) اس طرح قرآن مجید نے سخت اور بے رحم قوم کے دلوں میں جاگزیں ہو کر انہیں نرم کر دیا۔ ان کے درشت اور تند مزاجوں میں مروت و محبت پیدا کر دی۔ ان کی ہلکی و سطحی عقلوں میں داخل ہو کر انہیں وزنی اور ٹھوس بنا دیا۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس عمل نے ان کی زباں میں حسن الفاظ ، خوبی تراکیب ، نزاکتِ اسلوب، قوتِ منطق، زورِ استدلال ، نیرنگی معانی اور کثرتِ معانی و مضامین پیدا کر دی۔(۵۶)

قرآن کے اندر جو الفاظ آ گئے وہ گلستانِ ادب وفنون کے گلہائے رنگا رنگ بن گئے۔ پھر نحو، صرف اور بدیع جیسے علوم معرض وجود میں آئے۔

۲۔ نزولِ قرآن سے شاعری کے محرکات کمزور پڑ گئے۔ قرآن نے اپنی تعلیمات سے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا، فخر، محاسہ، قومی تعصب اور ہجو کے جذبات سرد پڑ گئے۔ تغزل وتشبیب کو عریانی و فحاشی قرار دینے سے شاعری پر کاری ضرب لگی۔ جس سے شعراء کی تعداد گھٹ گئی اور شاعری گوشہ تنہائی میں سسکنے لگی۔

۳۔ کچھ ایسے نام ور شعراء تھے کہ قرآنی فصاحت و بلاغت نے انہیں دم بخود کر دیا تھا۔ ان کا جوشِ بیان ٹھنڈا پڑ گیا۔ قرآن کی موجودگی میں ان کے شاعرانہ کمالات، سورج کے آگے چراغ بن گئے۔ نتیجہ کے طور پر وہ شاعری سے دستبردار ہو گئے۔ لبید بن ربیعہ چوٹی کے شاعر تھے۔ رجزیہ شاعری میں طویل قصائد لکھے تھے، دعوتِ اسلام ظاہر ہوئی۔ تو دربارِ نبوی پر حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور شاعری کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا۔(۵۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ عربی ادب کی ترقی:

ابن خلدون لکھتے ہیں:

''مسلمان شعراء اور خطبا کا کلام عبارت کے لحاظ سے انتہائی خوبصورت اور آب و تاب کے اعتبار سے انتہائی پر رونق، جمال و تعبیر کے لحاظ سے انتہائی پختہ، بے حد سیدھا اور سچا اور عدل والا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تراکیب و اسالیب میں انتہائی بلاغت والے کلام سے مدد حاصل کی تھی۔(۵۸) یعنی قرآنی بلاغت نے عربی کو ارتقاء بخشا۔ یہی وجہ تھی کہ اموی دور کے شعراء کا کلام جاہلی دور کے شعراء کے کلام سے اعلیٰ و برتر ہے۔ کیونکہ قرآن نے انہیں جدید الفاظ اور نئے اسلوب و تراکیب سے روشناس کرایا تھا۔

۵۔ خطابت کی مقبولیت:

اسلام کی بدولت خطابت کا مقام بڑھ گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کو غزوات و فتوحات میں اس کی ضرورت ہوتی۔ دورِ جاہلی میں شاعر کا مقام خطیب سے بڑھ کر تھا۔ مگر اب خطیب کا درجہ بڑھ گیا۔ کیونکہ حوصلے بڑھانے، جماعتوں کو اکٹھا کرنے اور دشمن کو دھمکانے میں اسی کا استعمال کرتے۔(۵۹) قرآنی آیات سے اقتباسات لیتے۔ جس سے خطابت کا حسن اور زور دوبالا ہو جاتا۔

۶۔ سجع کا خاتمہ:

اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ کاہن لوگ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں اور شیاطین ان کی طرف آتے ہیں۔ قرآن نے شیطان مردود کی مذمت کی تھی۔ جس کی بدولت کاہن کی قدر و منزلت ختم ہو گئی۔ تکلف و تصنع سے بھرپور انکا اندازِ بیاں ناپسند ہوا۔ نتیجتاً نثر مسجع بھی رخصت ہو گئی۔ تقریباً پانچ صدیوں بعد اس نے پھر اٹھان لی۔ مگر ابن خلدون جیسے سنجیدہ افراد کے ہاں معیوب ہی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اس پر شدید تنقید کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کی اور تحریر کے اس انداز کو عجمی اختلاط کا نتیجہ قرار دیا۔(۶۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ اسلام:

اسلام نے نہ تو شعر و شاعری کی مطلقاً مذمت کی تھی اور نہ ہی اسے کلیتہً ختم کیا تھا۔ کیونکہ خود حضورﷺ نے بھی بعض مواقع پر اشعار کی تشریح کی تھی۔ اس کے بعد اگرچہ شاعری کا جوش و خروش مدہم ہوا۔ تاہم اسے قبولیت کا ایک نیا رخ مل گیا کہ وہ تفسیر قرآن کا ماخذ بن گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ اگر تم قرآن پڑھو مگر اسے سمجھ نہ سکو تو عرب اشعار سے اس کا مطلب تلاش کرو۔(۶۱) چنانچہ آج عربوں کی وہ سابقہ شاعری دینی مدارس میں باقاعدہ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ کیونکہ جب بھی قرآن کی تفسیر کا مرحلہ آتا ہے تو اس کے مشکل الفاظ کی معنوی تحقیق کے لئے ان اشعار سے استشہاد کیا جاتا ہے۔ اس طرح عربوں کی قدیم شاعری کو قرآن کی بدولت ابدی حیات حاصل ہو گئی۔ حالانکہ اس شاعری نے قرآن مجید سے شدید زخم اٹھائے تھے۔

۸۔ لسانی وحدت۔

مشہور مستشرق فلپ حتی رقمطراز ہیں:

محض اسی کتاب کی بدولت عربی بولنے والی مختلف قوموں کی مقامی بولیاں جداگانہ زبانیں نہیں بننے پائیں۔ جس طرح کہ ممالک یورپ میں رومانی السنہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں۔ تب اس کی عظیم ادبی قوت کا اندازہ کر سکیں گے۔ ہر چند زمانہ حاضرہ کا عراقی، کسی مراکشی کی بول چال سمجھنے میں کچھ دشواری محسوس کرے گا۔ لیکن اس کی تحریر سمجھنا کچھ مشکل نہ ہو گا۔ کیونکہ................ معیاری تحریر کی زبان وہی ایک ہے۔ جسے قرآن نے اپنے قالب میں ڈھال دیا۔(۶۲)

یعنی آج عربی زبان ۲۰ کے قریب ممالک میں بولی جاتی ہے۔ مگر تمام تر زمانی مدت اور مکانی وسعت کے باوجود، اس کی بنیادی حیثیت میں خاص فرق پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح قرآنی ادب، ان تمام ممالک کو مذہبی وحدت کے ساتھ ساتھ لسانی وحدت میں بھی منسلک کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراجع ومصادر

۱۔	آلوسی ابو الفضل محمد شہاب الدین	روح المعانی	مکتبہ رشیدیہ لاہور
۲۔	ابن کثیر عماد الدین، ابو الفداء	البدایۃ والنہایہ	نفیس اکیڈمی کراچی
۳۔	ابن خلدون، ابو زید عبد الرحمٰن	مقدمہ ابن خلدون	نفیس اکیڈمی کراچی
۴۔	ابن منظور	لسان العرب	داراحیاء التراث العربی بیروت
۵۔	ابن قتیبہ	شعر العرب (مترجم عبد الصمد صارم)	ادارہ علمیہ ۵ نئی انارکلی لاہور
۶۔	احمد حسن زیات	تاریخ ادب عربی	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۷۔	بخاری محمد بن اسماعیل بخاری	الجامع الصحیح	دار الاشاعت کراچی
۸۔	جرجی زیدان	تاریخ آداب اللغۃ العربیہ	دار الھلال قاہرہ
۹۔	رازی فخر الدین محمد بن عمر	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	مطبع الازہر قاہرہ
۱۰۔	راغب اصفہانی	مفردات القرآن	شیخ شمس الحق، کشمیر بلاک اقبال ٹاؤن لاہور
۱۱۔	زمخشری ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر	الکشاف	شرکت مکتبہ ومطبع مصطفٰی البابی الحلبی بمصر
۱۲۔	سیماب اکبر آبادی، علامہ	وحی منظوم	سیماب اکیڈمی کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۔	سجاد باقر رضوی ڈاکٹر	مغرب کے تنقیدی اصول	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد
۱۴۔	شفیع، مفتی محمد شفیع	معارف القرآن	ادارۃ المعارف کراچی
۱۵۔	علی احمد رفعت	عربی ادب	اردو اکاڈمی بہاولپور
۱۶۔	مودودی، ابو الاعلیٰ	تفہیم القرآن	ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۔	سید احمد مالک، ناشر	السبع المعلقات (مترجم)	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند بھارت
۱۸۔	فیلپ حتی پروفیسر (مترجم مولوی سید ہاشم)	ہسٹری آف دی اربز (ترجمہ تاریخ ملت عربی)	انجمن ترقی اردو پاکستان
۱۹۔	کاسانی، ابوبکر مسعود، علاؤ الدین،	بدائع الصنائع	دیال سنگھ کالج لائبریری لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱۔ عربی ادب،۹۰

۲۔ البدایۃ والنہایہ،۳ : ۱۱۹

۳۔ ایضاً۳: ۱۲۱

۴۔ سورہ حاقہ،۴۲،۴۱

۵۔ سورہ تکویر،۲۲۔۲۵ معارف القرآن

۶۔ مقدمہ ابن خلدون،۲ : ۴۹۷

۷۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ،۵۹

۸۔ تفسیر کشاف، ۳۲۹

۹۔ تاریخ ادب عربی ۱۵۷

۱۰۔ عربی ادب، ۷۷

۱۱۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ،۱: ۵۵

۱۲۔ معارف القرآن' سورہ الکوثر

۱۳۔ وحی منظوم از علامہ سیمات اکبرآبادی، سورہ کوثر

۱۴۔ مقدمہ ابن خلدون،۲ : ۵۱۶

۱۵۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب :۳

۱۶۔ ایضا، ۹

۱۷ تاریخ ادب عربی،۷۴

۱۸۔ عربی ادب، ۷۷

۱۹۔ لساب العرب، بذیل رجز

۲۰۔ کشاف، سورہ شعراء ۲۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ البدایہ والنہایہ، ۳ : ۱۱۹

۲۲۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۱ : ۳۵۱

۲۳۔ ایضا، ۲۱۹

۲۴۔ سورہ شعراء، ۲۲۵

۲۵۔ تفہیم القرآن سورہ شعراء، ۲۲۵

۲۶۔ تفسیر کبیر، سورۂ الشعراء : ۲۲۵

۲۷۔ روح المعانی، ایضا

۲۸۔ تفسیر کشاف ایضا۔

۲۹۔ مغرب کے تنقیدی اصول، ۱۵۰

۳۰۔ ایضاً ۲۴۱۔

۳۱۔ ایضاً ۱۵۱۔

۳۲۔ ایضاً ۱۶۷۔

۳۳۔ ایضاً اصول، ۱۵۱

۳۴۔ سورہ رحمٰن، ۹

۳۵۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۶۹

۳۶۔ تاریخ ادب عربی، ۷۵

۳۷۔ شعر العرب ملخص، ۱۱

۳۸۔ تاریخ ادب عربی، ۱۸۱

۳۹۔ شعر العرب، ۲۲

۴۰۔ سورہ بقرہ، ۱۵۶

۴۱۔ سورہ حجرات، ۱۳

۴۲۔ سورہ لقمان، ۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۳۔ معارف القرآن، سورہ والنازعت، ۵

۴۴۔ تاریخ آداب الغۃ العربیہ، ۱: ۳۵۱

۴۵۔ تاریخ ادب عربی، ۱۱۹

۴۶۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۶۹

۴۷۔ مقدمہ ابن خلدون، ۲: ۵۰۱

۴۸۔ بدائع الصنائع، ۲: ۴۰۹

۴۹۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ: ۱: ۱۱۱

۵۰۔ السبع المعلقات، ۸

۵۱۔ معارف القرآن سورہ والعادیات

۵۲۔ روح المعانی، سورہ والعادیات

۵۳۔ مقدمہ ابن خلدون، ۲: ۵۰۱

۵۴۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۱: ۲۲۰

۵۵۔ البدایہ والنہایہ، ۳: ۱۲۴۔

۵۶۔ ایضاً عربی، ۱۶۱

۵۷۔ تاریخ ادب عربی، ۱۳۷۔

۵۸۔ مقدمہ ابن خلدون، ۲: ۵۱۴۔

۵۹۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۱: ۲۱۶

۶۰۔ مقدمہ ابن خلدون، ۲: ۴۹۸

۶۱۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، ۱: ۲۲۱

۶۲۔ ہسٹری آف دی اربز، ۱۹۵۔

© rasailojaraid.com